(التقویٰ)

(اہتمام علم وعمل)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	T	۷
۲	قرآن اور تصنیف	۸
۳	مضامین قرآن میں ابواب وفصول نہ ہونے کی وجہ	۹
۴	آیات قرآنی میں ربط	۱۰
۵	اجر عظیم	۱۱
۶	اشتیاق منافع	۱۴
۷	عبدیت کاملہ	۱۶
۸	فطری مذاق	۱۷
۹	تفاخر کا مرض	۱۸
۱۰	صحابہ رضی اللہ عنہم کا مزاق	۱۹
۱۱	اتباع سنت کی مثال	۲۰
۱۲	صحابہ j کا طرز	۲۲
۱۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں حکمت	۲۲
۱۴	توکل کے معنی	۲۳
۱۵	آجکل کا تقویٰ	۲۵
۱۶	جاہل واعظین	۲۵

۱۷	عوام کا حال	۲۶
۱۸	تقویٰ کی حقیقت	۲۸
۱۹	اطاعت کی اقسام	۳۱
۲۰	لوگوں کی اللہ سے محبت کا حال	۳۲
۲۱	انفاق مالی	۳۲
۲۲	کلام اللہ کی خوبی	۳۳
۲۳	ہمارے اعمال کی حالت	۳۳
۲۴	آجکل کا تصوف	۳۴
۲۵	حقیقی تصوف	۳۶
۲۶	عدم توجہی	۳۷
۲۷	علم کا فائدہ	۳۸
۲۸	مولوی بننے کی شرط	۳۹
۲۹	حصول علم	۴۱
۳۰	ضرورت مدارس و عالم	۴۲
۳۱	عمل کا فائدہ	۴۲
۳۲	اہل اللہ کی صحبت	۴۳
۳۳	ذکر کا اہتمام	۴۳
۳۴	صحبت علماء	۴۳
۳۵	بچوں کی تربیت کا اہتمام	۴۵
۳۶	حب مال	۲۶
۳۷	کسب دنیا اور حب دنیا میں فرق	۲۷

وعظ

(التقویٰ)

(اہتمام علم وعمل)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے قصبہ سیولی کا سفر فرمایا جہاں اس سے قبل کی آیت کا بیان ہوا تھا اسی مناسبت سے اس جگہ اس آیت کا بیان فرمایا اور اس کے بعد کی آیت کے بیان کا وعدہ اگلے مقام پر کرنے کا فرمایا بیان میں تقویٰ کی حقیقت اور اس کے حصول کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

''وہ ذراسی بات جو تصوف کا حاصل ہے۔ یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے۔ اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضے کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے یہی اس کی محافظ ہے اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے'' (ارشاد حکیم الامت)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۴/ مارچ ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ ط وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(۱)

''سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور سنو اور مانو اور خرچ کرو اپنے بھلے کو اور جس کو بچا دیا اپنے ہی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی مراد کو پہنچے''

T

یہ ایک آیت ہے۔ سورہ تغابن کی جس کو اس وقت بیان کے لئے قصداً نہیں اختیار کیا گیا بلکہ ایک اتفاقی امر(۲) ایسا پیش آیا جس سے اس کو اختیار کیا گیا وہ یہ کہ کل میں سیولی تھا۔ وہاں کے بیان میں تین آیتیں پڑھی گئی تھیں۔ ایک یہ اور ایک اس کے قبل کی اور ایک اس کے بعد کی سیولی میں تو قبل کی آیت کو بیان کیا گیا

(۱) سورہ تغابن: ۱۶ (۲) اتفاقاً ایک ایسی بات پیش آ گئی جس کی وجہ سے اس کو اختیار کیا۔

بوجہ مناسبت وہاں کے حالات کے، اب یہ ان تینوں میں کی دوسری آیت ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ چونکہ سفر ایک ہے اس لئے اس سفر میں اول ان ہی آیتوں کو بیان کیا جاوے۔ چنانچہ اس وقت اس آیت کو اختیار کیا گیا اور عجب نہیں کہ کل آئندہ کے بیان میں اس کے بعد کی آیت کا بیان ہو۔ اس طرح سے یہ آیت سلسلہ بیان میں آگئی مگر اب یہاں اسباب خارجیہ سے اس کے بیان میں آنے کے ساتھ یہ مناسب حال بھی ہے اور اگر خاص مناسبت بھی نہ ہوتی تب بھی اس لئے مناسب ہے کہ قرآن مجید میں ہر مضمون ضروری ہے۔ یہ بھی قرآن ہی کی ایک آیت ہے۔ اس بناء پر اس میں کسی خاص ترجیح کے بیان کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قرآن ایک مطب روحانی ہے اور ہم مریض ہیں تو ہر آیت تمام امراض کا علاج ہے۔ اور اسی وجہ سے قرآن مجید کی عجیب ترتیب ہے کہ اس میں ابواب وفصول نہیں بلکہ ہر مضمون میں ایسی جامعیت کا لحاظ ہے کہ جو آیت بھی لی جاوے وہ ہر مرض کے علاج کے لئے کافی وافی ہے(۱)۔ گو ہر مقام پر ظاہر نظر میں کسی خاص مرض کا علاج معلوم ہوتا ہے۔ لیکن تعمق (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر مرض کا علاج ہے۔

قرآن اور تصنیف

یہیں سے معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن مجید کا طرز مصنفین کی کتب کے طرز پر کیوں نہیں ہے۔ یعنی طبائع اس بات کی خوگر ہیں (۳) کہ ہر باب میں جدا مضمون ہو۔ نماز کا الگ، زکوٰۃ کا الگ، علی ہذا فنون (۴) عقلیہ میں بھی یہی بات ہے۔ چنانچہ مولانا نے مثنوی میں کسی معترض کا یہی قول نقل بھی کیا ہے کہ اس نے کہا تھا کہ اس میں دیگر کتب تصوف کے طور پر علیحدہ علیحدہ ہر چیز کا بیان نہیں بلکہ مخلوط طور

(۱) بہت کافی ہے (۲) گہرائی سے مطالعہ کریں (۳) عادی (۴) اسی طرح عقلی فنون۔

پر ہے تو مولانا نے اس کا جواب دیا ہے۔ کہ یہ نادانی ہے۔ یہ طرز تو قرآن کا بھی ہے اور اس وقت یہ جواب کافی تھا کہ قرآن کا کوئی منکر نہ تھا۔ مگر اس زمانہ میں تو حدیث اور قرآن کو بھی نہیں چھوڑتے ہیں گو صاف انکار تو نہیں کرتے مگر شبہات لاتے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ قرآن میں مسلمانوں کو وسوسہ کا گذر بھی نہ تھا اس میں کاوش نہ ہوتی تھی وجہ یہ ہے کہ قلب میں جس کی عظمت ہوتی ہے اس میں کبھی شبہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں سلطنت کی عظمت ہے اس کے احکام میں کبھی چوں وچرا نہیں کرتے خاص کر پرانی وضع کے لوگ کہ ان کا مذہب ہی یہ ہے کہ

رموز و مصلحت　ملک　خسرواں　دانند

''سلطنت کے اسرار ورموز بادشاہ جانتے ہیں''

تو نکتہ چینی کا کبھی موقع نہیں آتا اور اگر آتا ہے تو زبان تک نہیں آتا کہ بغاوت نہ ہوجاوے تو قانون سلطنت میں تو نہیں آتا لیکن قرآن کو ایسا تختہ مشق بنایا ہے کہ الف بے تے کی تمیز نہیں ہے اور قرآن پر نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ استعداد علمی کی بھی ضرورت نہیں تو اس وقت تو مولانا کا وہ جواب کافی تھا مگر اب یہ دوسرا سوال پیدا ہوگا۔ کہ قرآن میں یہ کیوں طرز ہے۔

مضامین قرآن میں ابواب وفصول نہ ہونے کی وجہ

اس لئے میں اس کا جواب دیتا ہوں کہ اس کا سبب ظاہر ہے مگر اسی کے لئے جس کو تعلق بین اللہ وبین العبد معلوم ہے (۱) سو اول وہ تعلق سمجھئے کہ کیا ہے سو وہ تعلق ہے شفقت ذاتی کا۔ اس لئے کہ خدا کو کوئی غرض نہیں اور جو ایسی شفقت ہوگی وہ نہایت کامل ہوگی۔ ایک مقدمہ تو یہ ہے دوسرا یہ کہ کامل شفقت کا اثر تعلیم میں کیا ہے۔

(۱) اللہ اور بندے کے درمیان کیسا تعلق ہے اس کا علم ہو۔

مثلاً باپ ہے تو جس کو خدا نے باپ ہونے کی دولت عطا فرمائی ہے اس کو تو خوب معلوم ہے لیکن اگر کوئی بیٹا ہے تو اس کو بھی یاد ہوگا باوجود باپ کی شفقت کے اس قدر کامل نہ ہونے کے پھر اس کا ایک خاص قسم کا برتاؤ ہوتا ہے کہ اس کی نصیحت میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہوتی جس طرح سے مصنف کی کتاب ہوتی ہے۔ کہ مبوب و مفصل ہوتی ہے اس طرح سے باب کا طرز نہیں ہوتا مثلا وہ تمیز سکھانے بیٹھا کہ بڑوں کا ادب کیا کرتے ہیں اور اس کو سلام کیا کرتے ہیں۔ عین اس موقع پر بیٹے نے کھانے کا بڑا لقمہ لے لیا۔ باپ نے فورا کہا کہ بیٹا لقمہ چھوٹا لو تو اگر کوئی کہے کہ باپ کا کلام بے جوڑ ہے تو بھائی تم کو اس لئے بے جوڑ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو شفقت کی اطلاع نہیں جس کو شفقت ہوتی ہے اس کو ربط کے انتظار کی ضرورت نہیں۔

آیات قرآنی میں ربط

اور اگر باوجود اس کے بھی وہ کلام مرتب اور مربوط ہو تو غایت بلاغت ہے (۱) لیکن اگر اس میں ترتیب نہ بھی ہوتی تب بھی غایت درجہ کی حسن وخوبی تھی اور افسوس ہے کہ آج یہی بات جو شفقت کی ایک بالغ دلیل ہے لوگوں کے نزدیک موجب نقص ہے تو وجہ یہ ہے کہ خدا سے تعلق نہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کو بھی اجنبیوں کا سا تعلق ہو جو قرآن کے اجزاء میں ربط کو لازم سمجھتے ہیں۔ گو واقع ہے مگر لزوم نہیں ہے (۲)۔ تو صاحبو! وہ خدا ہیں آپ چاہے ان سے خدا نہ ہونے کا برتاؤ چاہیں۔ مگر وہ تو خدا ہی ہونے کا برتاؤ کریں گے چنانچہ اس کا اثر ہے جو فرماتے ہیں: ﴿ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴾ (۳) یعنی

(۱) انتہائی بلاغت کی دلیل ہے (۲) آیات قرآنی میں ربط ہے ضرور لیکن اسکا ہونا لازمی نہیں ہے (۳) سورۃ الزخرف:۱۵۔

ہم تم کو ہمیشہ سمجھا دیں گے خواہ تم نہ مانو بخلاف غیر شفیق کے کہ جب مخاطب نہیں مانتا وہ تفہیم چھوڑ دیتا ہے۔ غرض خدا کے کلام کا یہ طرز ہے سو اس کا مقتضا یہ تھا کہ اگر اس میں کوئی ترتیب بھی نہ ہوتی تب بھی وہ خوبی ہی تھی اور اب تو ربط بھی ہے۔ جس سے حسن دوبالا ہوگیا تو حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ربط صریح نہ ہونے کا سبب شفقت ہے اس لئے ہر جگہ جامعیت کی شان ہے کہ ہر مقام پر ہر مضمون سے تعرض ہے (۱) یہ دوسری بات ہے کہ کوئی مضمون مدلول بعبارۃ النص ہے اور کوئی مدلول بدلالۃ النص وغیرہ (۲)۔ لیکن یہ بات کہ کسی مقام پر صرف ایک ہی مضمون کا بیان ہو یہ نہیں ہے اور اس لئے مجھے کسی خاص آیت کے انتخاب کی ضرورت نہیں ہوئی اور اسی تخصیص کے ضروری نہ ہونے کے سبب میرا یہ معمول ہے کہ لوگوں کے کہنے سننے سے کسی خاص مضمون کا بیان نہیں کرتا۔ گو مشورہ سن لیتا ہوں مگر عامل اس پر ہوں کہ۔

سن لاکھ کوئی تجھے سناوے کیجو وہی جو سمجھ میں آوے

نیز اس کا اثر بھی اچھا نہیں ہوتا اور اصل بات تو ہے کہ جب کلام جامع ہے تو اس کی ضرورت ہی کیا ہے جب ہر آیت ہمارے امراض کا علاج ہے تو جس مقام سے چاہا آیت پڑھ دی تو مرجح کی (۳) ضرورت ہی نہیں لیکن اس وقت یہ ایک اتفاقی مرجح بھی ہے کہ یہ آیت ترتیب میں آگئی۔ خیر یہ تو وجہ ترجیح تھی۔

اجر عظیم

اب اصل مضمون سنئے کہ اس کے قبل فرمایا تھا: ﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾

(۱) تعلق ہے (۲) کسی مضمون کی طرف نشاندہی عبارت کر رہی ہے اور کوئی مضمون دلالت سے ثابت ہو رہا ہے (۳) وجہ ترجیح۔

''اور اللہ کے یہاں بڑا اجر ہے'' اس سے یہ آیت مرتبط ہے اور ضرورت ارتباط یہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں (ف) ہے جس کا ترجمہ ہے پس اور لفظ پس تو ایسے مقام پر آتا ہے کہ مرتبط ہو ماقبل سے اور یہاں ماقبل میں ربط کے لئے تو سب سے سہل جزوَاللّٰہُ عِنْدَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ہے۔ یعنی جب اللہ کے یہاں بہت اجر ہے۔ تو تم کو چاہیے کہ اس پر نظر کر کے خدا سے ڈرا کرو کیونکہ اس کا مالک اجر عظیم ہونا مقتضی (۱) اس کا ہے کہ تم وہ برتاؤ کرو کہ اس اجر کے مستحق ہو جاؤ یعنی استحقاق بسبب وعدہ خداوندی (۲) کے نہ اس لئے کہ اس کے ذمہ کسی کا حق واجب ہے اور کیونکر کسی کا حق ہوسکتا ہے اگر حق ہوتا عمل کے سبب ہوتا اور عمل کی کیفیت یہ ہے کہ وہ محض بظاہر آپ کی طرف منسوب ہے ورنہ حقیقت میں وہ آپ کا عمل ہی نہیں کیونکہ تمام آلات ہاتھ پیر جن سے عمل ہوتا ہے سب اسی کے دیئے ہوئے ہیں۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست　　　تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

ہم اپنے گھر سے کچھ نہیں لائے ہیں جو کچھ بھی ہے وہ آپ ہی کا عطیہ ہے۔

میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں جو اس کے قبل میرے ذہن میں بھی نہیں تھی کہ آپ کا ایک باورچی ہے اس نے کھانا پکایا تو کیا اس کو حق ہے کہ اس کو اپنا کھانا بتاوے۔ ہرگز نہیں کیونکہ سب چیزیں آپ کی ہیں اور ہاتھ پیر جو باورچی کے ہیں تو ان کے تصرف وفعل کو جس سے کھانا پکا ہے۔ ہم نے خرید لیا ہے۔ کیونکہ اجارہ کا خلاصہ مبادلۃ المال بالمنافع ہے (۳) تو اس باورچی کی کیا چیز ہوئی۔ کچھ بھی

(۱) اس کا اجر عظیم کا مالک ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے (۲) اللہ کے وعدہ کی وجہ سے اس کے مستحق ہو جاؤ
(۳) فوائد کے عوض مال دینا۔

نہیں تو اگر وہ ایسا دعوے کرے تو اس کی تحمیق کی(۱) وجہ صرف یہ ہے کہ اس کی کوئی چیز نہیں تو پھر اس مجموعی سامان کا نتیجہ حاصلہ اس کی ملک کیونکر ہوگا پس ایسا ہی آپ کی نماز کا حال ہے کہ اعضاء اس کے دیئے ہوئے ارادہ اس کا دیا ہوا سب کچھ تو اسی کا ہے تو آپ کی کونسی چیز ہے جس سے یہ دعویٰ ہو کہ میری نماز ہے تو جیسا اس باورچی کا دعویٰ غلط ہے ایسا ہی ہمارا دعویٰ بھی تو اس حالت میں ہمارا کیا استحقاق ہوا بلکہ اتنا فرق ہے کہ باروچی کے منافع تو اصل میں اسی کے تھے جس کے سبب معاوضہ کی ضرورت ہوئی اور یہاں تو شروع ہی سے سب اسی کے پیدا کردہ ہیں معتزلہ نے بڑی غلطی کی کہ خدا تعالیٰ کے ذمہ بندہ کا حق بتلایا اہل سنت نے اس کو سمجھ کر حقیقت کو ظاہر فرمادیا۔ معتزلہ کو دھوکہ ہوا لـه حق علينا وغیرہ نصوص سے لیکن حضور ﷺ نے اس کی حقیقت کو ایسے مضامین سے ظاہر فرمادیا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو بے وجہ عذاب دینے لگے تب بھی وہ ظالم نہیں اور آپ کا فرمانا بالکل خدا کا فرمانا ہے۔ ''گفتہ او گفتہ اللہ بود'' تو گویا خدا تعالیٰ نے ہی فرمادیا کہ ہم پر کسی کا حق واجب نہیں اور یہ جو فرمایا گیا ہے حق علينا نصر المومنين ونحوه تو انہوں نے سمجھا نہیں یہ ایسا ہے جیسے بچہ سے کہہ دیں کہ یہ کھٹولا تیرا ہے تو خدا تعالیٰ چونکہ صادق الوعدہ ہیں اس لئے فرمادیا کہ اس کو ایسا پورا کرتے ہیں کہ گویا وہ بندے کے حقوق ہمارے ذمہ ہیں تو شریعت کے سب پہلوؤں کو سمجھنا چاہیے سو اس کو اہل سنت نے سمجھا تو میرے کلام میں جو استحقاق کا لفظ ہے یہ وہ استحقاق نہیں جو معتزلہ نے سمجھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو تفصیلاً مستحق اجر ہونا ہے تو خدا سے ڈرو جس سے دوسرے احکام کا امتثال(۲) بھی لازم ہے تو حاصل یہ ہوا کہ تم امتثال کرو یہ حاصل ہے مقام کا اور یہاں چند صیغے امر کے فرمائے ہیں اور تقریر ربط سے معلوم

(۱) اس کو بے وقوف کہنے کی (۲) دوسرے احکام پر عمل پیرا ہونا بھی لازم آئے۔

ہوا ہوگا کہ ان میں ہر مامور بہ(۱) ضروری ہے کیونکہ ان کو اجر عظیم کا مدار قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنے کو اجر سے مستغنی نہیں کہہ سکتا اس لئے ان کا ضروری ہونا بھی ظاہر ہوگیا۔ اگر کوئی استغنا کا دعویٰ کرے تو اس قسم کے دعوے دو وجہ سے پیدا ہوتے ہیں یا تو اس لئے کہ دین کی طرف توجہ نہیں یا توجہ ہے مگر اپنی احتیاج کی خبر نہیں۔

اشتیاق منافع

واقعی اکثر لوگوں کو ویسا اشتیاق جنت کی نعمتوں کا نہیں جیسا کہ دنیا کے منافع کا اشتیاق ہے اس کو تو گھنٹوں سوچتے ہیں کہ فلاں جگہ سے مال لاویں گے اور اس میں اس طرح نفع حاصل کریں گے۔ غرض ایک شوق کے ساتھ حدیث النفس ہوتا ہے(۱) اور ایک ارمان ہوتا ہے اور حوصلہ ہوتا ہے لیکن سچ بتلائیے کہ کبھی یہ بھی حوصلہ ہوا ہے کہ خدا ہم کو توفیق دے کہ عمل کریں اور جنت میں جاویں اور وہاں اس طرح کھاویں گے۔ اس طرح پئیں گے۔ اس طرح حوروں سے باتیں کریں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا دیدار دیکھیں گے۔ سو اس کا حدیث النفس ہرگز نہیں ہوتا۔ کبھی کسی سے سن لیا تو تھوڑی دیر سرسری توجہ ہوگئی پھر کچھ نہیں اور میں کسی اور کو کیا کہوں اپنے ہی کہتا ہوں کہ بہت کم ایسی تمنا اور آرزو ہوئی ہوگی صاحبو! اجر کی احتیاج وہ چیز ہے کہ حضور ﷺ کے برابر دوسرے انبیاء بھی نہیں ہیں لیکن احتیاج اجر کے باب میں خود حضور ﷺ کا اپنی نسبت یہ ارشاد ہے کہ حدیث میں ہے کہ ایک مقام پر حضور ﷺ سفر میں تھے اور اونٹ کم تھے اور سوار زیادہ تھے تو حضور ﷺ نے باری مقرر کردی تھی تو حضور ﷺ کے ساتھ بھی دو آدمی مقرر ہوئے ہوئے

(۱) ہر وہ کام جس کا حکم دیا گیا ہے (۲) شوق کے ساتھ خیالی منصوبے بھی بناتے ہیں یوں کریں گے۔

اللہ اکبر غور کیجئے کہ حضور نے کیا مساوات کو عمل میں لا کر دکھلایا ہے۔ آج دعوے تو بہت ہیں جن کو سن کر معلوم ہوتا ہے کہ جنید اور شبلی یہی ہیں لیکن کام کے وقت سب سے پیچھے ہیں صاحبو! ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ کام کیا ہے نام نہیں کیا اور آج نام ہی نام مقصود ہے تو حضور ﷺ نے کام کیا ہے اور سلف نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور ابھی بھی پچیس تیس برس پہلے لوگ کام کرتے تھے لیکن یہ نام والقاب سیکرٹری وغیرہ کہیں نہ تھے میں ان لفظوں پر اعتراض نہیں کرتا لیکن اگر عمل نہ ہو تو بیشک اعتراض ہے پہلے لوگ جو کچھ کر گئے وہ آج نظر بھی نہیں آتا ہم لوگ آج محض ضابطہ کے مولوی ہیں اور پہلے بے ضابطہ کے مولوی ہوتے تھے لیکن ان کی استعدادوں کا آج عشر عشیر (۱) بھی نہیں دیکھا جاتا ہم نے اپنے بزرگوں کے متعلق سنا ہے کہ بازار سے پتے اٹھا کر لاتے تھے ان کو پکا کر کھاتے تھے اور بخاری شریف کو لکھ لکھ کر پڑھتے تھے اور آج تو کتاب میں ایک غلطی نکل آئے تو وہ بھی نہیں بنائی جاتی وجہ یہی ہے کہ وہاں خلوص تھا اور یہاں ضابطہ ہے۔ سو ضابطہ میں خلوص کہاں نام تو سب سے بڑا اور کام کے وقت سب سے پیچھے حضور ﷺ نے زبان سے کبھی نہیں جتلایا کہ ہم تم کو اپنے برابر سمجھتے ہیں لیکن کر کے دکھا دیا۔ اب کرنے میں تو کم ہیں مگر ظاہر بہت زیادہ ہوگا۔ کیونکہ کام کرتے ہیں محض مخلوق میں نام پیدا کرنے کو اور نام کہنے سے زیادہ ہوگا غرض حضور ﷺ نے کام کر کے دکھلا دیا کہ آپ کے اونٹ میں دو اور شریک تھے حضور ﷺ نے اس پر یہ عمل کیا کہ تھوڑی دیر خود سوار ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر اترے اور ان سے فرمایا کہ اب تم سوار ہو۔ انہوں نے عذر کیا تو حضور نے فرمایا کہ بھائی تم ہمت میں مجھ سے زیادہ نہیں اور میں اجر سے مستغنی نہیں ہوں کہ تم تو ثواب لوٹو اور میں ثواب نہ لوں۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے۔

(۱) دسواں حصہ بھی نہیں۔

عبدیت کاملہ

حضور ﷺ کا بڑا کمال یہی عبدیت کاملہ ہے۔ خوب کہا ہے۔ ایک شخص نے ایک نصرانی سے کہا کہ تم جو خدا کہتے ہو عیسیٰ علیہ السلام کو تو ناقص خدا کہو گے اور ہم کہتے ہیں بندہ کامل تو تم ہی انصاف کرلو کہ کمال کی نسبت کرنا بہتر ہے یا کہ نقص کی نسبت کرنا، تو ہم ساری دنیا کے سامنے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا سب سے بڑا کمال، کمال عبدیت ہے۔ ہم کسی درجہ میں بھی آپ کے لئے الوہیت ثابت نہیں کرتے تو اس عبدیت کاملہ کے سبب آپ اس پر قانع نہیں ہوئے بلکہ بوجہ اس کے کہ اتنے غیر متناہی کمالات میں اگر ایک چھوٹا سا عمل تناوب(۱) رکوب کا کمال نہ ہوا تو کیا حرج ہے۔ حضور ﷺ نے تو چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی اختیار فرمایا اور ہماری یہ حالت ہے کہ جتنا جانتے جاویں چاہیے کہ اجر کی رغبت بڑھتی مگر بالعکس ہم کو تو منیۃ میں نفل کی تعریف پڑھنے سے کہ کرنے سے ثواب اور نہ کرنے میں گناہ نہیں یہ بات حاصل ہوئی تھی کہ اس روز سے نفلیں چھوٹ گئیں تو وجہ یہ ہے کہ ہم کو کامل محبت نہیں اور حضور ﷺ کو محبت کامل ہے تو اس لئے آپ کا دل ایک ذرا سا درجہ چھوڑنے کو بھی نہیں چاہا یہ کام کہ اپنے ساتھی کو سوار کر دینا بالکل معمولی بات ہے ہم تو اگر سفر میں اپنے کسی شاگرد کے ساتھ ہوں تو باوجودیکہ ہمارے ذمہ بھی ہے کہ اس کو بھی راحت دیں مگر سب سے اول اپنے ہی کو کہتا ہوں کہ اس کو پوچھیں بھی نہیں اور یہ واقعی بات ہے اللہ اکبر کیا چیز ہم میں سے کم ہوگئی۔ ذرا حضور ﷺ کو تو ملاحظہ فرمائیے اگر ہم ہوتے تو فوراً چڑھ بیٹھتے اور شاید ساتھی سے کہتے بھی نہ۔ حضور ﷺ کی عبدیت کی یہ حالت تھی کہ اتنے بڑے تو کامل اور تعظیم کے معمولی

(۱) سوار ہونے میں باری مقرر کرنا۔

الفاظ کی نسبت بھی فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کہو باقی ہماری ہدایت کے لئے اپنے کمالات بھی ظاہر فرماتے ہیں۔

فطری مذاق

یہ دوسری بات ہے لیکن حضور کا فطری مذاق یہی ہے کہ آپ نے کبھی مخدوم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا سی بات میں زبان پر یہ لفظ آتا ہے کہ تم ہم کو نہیں جانتے ہم کون ہیں اس کے جواب میں ایک حکایت یاد آ گئی کہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے ان کی ایک نصیحت پر کہا تھا کہ اما تعرفنی کہ تم مجھ کو نہیں جانتے اور انہوں نے کہا جانتا ہوں اولك نطفة مذرة واخرك جيفة قذرة وانت بين ذلك تحمل العذرة یعنی اول تیرا ایک نطفہ ہے اور انتہا ایک گندی لاش ہے اور درمیان حالت یہ ہے کہ پیٹ میں پاخانہ لئے پھرتا ہے تو میں اول سے آخر تک تمہارے پرزوں کو جانتا ہوں تو جب کسی کے دل میں ایسا وسوسہ آوے تو خود ہی جواب دے لے خوب کہا ہے:

زخاک آفریدت خداوند پاک　　　پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

''حق تعالیٰ نے تجھے خاک سے پیدا کیا ہے پس اے بندہ تو خاک کی طرح عاجزی اختیار کر''

اور واقعی ہمارے پاس فخر کی ہے ہی کیا چیز ہم کو اگر شرافت نسب پر دعوی ہے تو اول تو اس کا ثابت ہونا ہی مشکل ہے۔ پھر بعد ثبوت ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ جن کی طرف منسوب ہیں ان سے بہت کی نسبت اہل تاریخ نے کس قدر اختلاف کیا ہے اور اگر سب اجزاء ثابت بھی ہو جاویں تو یہ کیا فخر ہے کہ ہم فلاں کی اولاد ہیں جبکہ ہم ویسے نہ ہوں۔

لئن فخرت باباء ذوی نسب لقد صدقت ولکن بئس ماولدوا

''اگر تو شریف النفس باپ داؤد پر فخر کرتا ہے تو سچ کہتا ہے لیکن اولاد ان کی ناخلف ہے''

تو ایسے شخص کو تو کبھی کہنا ہی نہ چاہیے کیونکہ یہ ناخلف ہونے کا دعوی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ شریف النسب ہونا کوئی چیز نہیں۔ ضرور ہے آج بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اس کو مٹاتے ہیں تو یہ بھی غلطی ہے لیکن کہتا یہ ہوں کہ یہ فخر کی چیز نہیں۔ ہاں ایک نعمت ہے۔ اس پر خدا کا شکر کرو لیکن غریبوں پر فخر اور ان کی تحقیر نہ کرو۔

تفاخر کا مرض

اسی طرح تمام مفاخر (۱) کو سمجھ لو۔ غرض ہم کیا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم ایسے ہیں مگر یہ وہ بلا ہے کہ ہم میں سے شاید کوئی اس سے خالی ہو۔ حتیٰ کہ تواضع جو کہ فخر کی ضد ہے ہم اس میں بھی فخر کے مرتکب ہو رہے ہیں اور یہ بات آپ کو نئی معلوم ہوگی لیکن بہت پرانی ہے۔ یعنی یہ کہ ہماری تواضع بھی تکبر ہے چنانچہ اگر کوئی شخص تعبیر کرے تو کہتے ہیں کہ صاحب میں تو محض نالائق ہوں مگر دل سے وہ ہرگز ایسا نہیں سمجھتا چنانچہ جو شخص یہ کہے وہ غور کر کے دیکھ لے کہ دل سے کہتا ہے یا زبان سے۔ اگر محض زبان سے ہے تب تو ظاہر ہے کہ تکبر ہے اور اگر دل سے ہے تو امتحان یہ ہے کہ وہ تعریف کرنے والا ذرا پلٹ کر کہہ دے کہ ہاں جناب آپ بڑے نالائق ہیں مجھ کو معلوم نہ تھا اس لئے تعریف کرتا تھا۔ بس اب دیکھئے ان کی حالت کیا ہوتی ہے حضرت گولی مارنے کو تیار ہو جاویں گے اور عمر بھر کو آپس میں بغض ہو جاوے گا۔ پس جب ہماری تواضع بھی تکبر ہے تو تکبر تو کیا کچھ ہوگا۔

(۱) تمام قابل فخر باتوں کو سمجھو۔

سو ہماری تو یہ حالت ہے اور حضور ﷺ میں باوجودیکہ کونسی خوبی نہ تھی۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ ﷺ حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا رکھتے ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام تمام کمالات رکھتے تھے آپ وہ سب تنہا رکھتے ہیں۔

آپ کی یہ کیفیت ہے کہ ہر چیز میں افتقار(۱) کا اظہار فرماتے ہیں چنانچہ سواری میں دیکھئے کیا فرمایا اور خیر یہ تو اجر آخرت کی بات ہے حضور ﷺ نے تو یہاں تک اپنے افتقار کو ظاہر فرمایا ہے کہ بعد کھانے کے فرمایا کرتے کہ غیر مودع وغیرہ مستغنی عنه ربنا کہ اے اللہ ہم اگلے وقت بھی اس سے مستغنی نہیں تو کھانا جو بہت ہی سرسری چیز ہے آپ اس کو بھی نعمت عظمی سمجھتے ہیں اور اس کی طرف بہت احتیاج ظاہر فرماتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو مجبور کر کے سوار کیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا مزاق

ادھر صحابہ j کا مذاق یہ تھا کہ وہ اصلی عاشق تھے جب انہوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کو اسی میں راحت ہے بس وہ بھی سوار ہو گئے اور ہماری حالت بزرگوں کے ساتھ یہ ہے کہ ایسے موقع پر اصرار کے ساتھ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور غضب تو یہ ہے کہ بعضے بزرگوں کی بھی یہ حالت ہے کہ وہ جو اپنے چھوٹوں کے ساتھ تواضع کرتے ہیں تو وہ بھی دل سے نہیں ہوتی اگر دل سے ہو تو اس میں اثر ایسا ہوتا ہے کہ اثر تو فوراً ہی مان لیا جاوے اور بعض جگہ جھوٹے تکلف کرتے ہیں۔ میں ایک بزرگ کے پاس گیا وہ پائنتی بیٹھے ہوئے اور مجھے سرہانے بٹھانا چاہا۔ میں نے عذر کیا آخر انہوں نے تندی سے فرمایا۔ میں بیٹھ گیا اس کے بعد انہوں نے غالباً

(۱) ہر چیز میں احتیاج کا اظہار کرتے ہیں۔

فرمایا کہ میاں آؤ ہم تم کو ایک حکایت سناویں پھر عالمگیر اور داراشکوہ سنایا کہ یہ دونوں عطائے سلطنت کی دعا کرانے کے لئے ایک دوسرے کی بے خبری میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان بزرگ نے ان کی شہزادگی کے ادب سے سرہانہ چھوڑ کر ان کو بٹھانا چاہا۔ داراشکوہ نے تو تکلف کیا پھر جب اس نے درخواست کی تو ان بزرگ نے فرمایا کہ میں تو تخت پر بٹھلاتا تھا مگر تم نے نہ مانا۔ عالمگیر کو جب بٹھلانا چاہا یہ فوراً سرہانے بیٹھ گئے پھر جب درخواست کی تو انہوں نے فرمایا تم تو تخت ہی پر بیٹھے ہو تو داراشکوہ کا ادب تو ظاہر تھا اور باطناً بے ادبی یعنی مخالفت اور عالمگیر کا ادب ظاہری تو نہ تھا لیکن باطنی تھا یعنی اطاعت پھر مجھ سے ان بزرگ نے فرمایا کہ جو کچھ اپنا بزرگ کہے اس میں کوئی راز ہوتا ہے لیکن یہ موافقت اس وقت ہے جب کہ دل سے ہو۔ بناوٹ سے نہ ہو۔ غرض بزرگوں کا ادب یہ ہے کہ جب وہ دل سے کہیں مان لے مگر ہم نے تو یہ سبق پڑھا ہی نہیں الا ماشاء اللہ ہم اپنے استاد مولانا صاحب کے آنے سے تعظیماً کھڑے ہو جاتے لیکن جب معلوم ہوا کہ ان کو بار ہوتا ہے تو اس کو ترک کر دیا محبت تو یہ ہے کہ جس سے ان کو راحت ہو ہمارے استاد ابتدائی کتابوں کے تھانہ بھون کی جامع مسجد سے جوتہ اپنا لیکر چلے ایک معتقد صاحب آئے اور جوتے لینے لگے انہوں نے تواضع سے انکار فرمایا معتقد صاحب نے جھٹکا دے کر چھین لیا اس میں تو ادب وہی ہے کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیکھا کہ جو فرمایا حضور ﷺ نے بس بہت اچھا۔ سبحان اللہ عجیب وغریب شان تھی عاشق اسی کو کہتے ہیں۔

اتباع سنت کی مثال

مجھے ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی کہ ان کے ایک شاگرد آئے دیکھا کہ

شیخ پر فاقہ ہے وہ فوراً اٹھے اور گھر سے کھانا لائے شیخ نے فرمایا کہ کھانے کی مجھ کو حاجت تو ہے مگر قبول سے ایک امر مانع ہے[۱] وہ یہ ہے کہ جب تم اٹھ کر چلے تو مجھے خطرہ ہوا کہ تم کھانا لینے جاتے ہو اور اس سبب سے نفس کو انتظار رہا اور حدیث میں قبول ہدیہ کی شرط فرمائی گئی ہے۔ ما اتاك من غير اشراف نفس فخذه اور (بغیر اشرافِ نفس تمہارے پاس کوئی چیز آئے اسے قبول کرلو اور مجھ کو اشراف ہوگیا۔ وہ شاگرد معاً کھانا اٹھا کر واپس چل دیئے جب نظر سے غائب ہوگئے پھر لوٹ کر آگئے اور عرض کیا کہ حضرت اب تو ناامیدی ہوگئی ہے۔ اشراف نہ رہا تھا اب لے لیجئے۔ شیخ اور شاگرد دونوں متبع سنت تھے۔ حضرت یہ ہے اتباع سنت ایک ہم ہیں کہ ہم نے سنت میں بھی انتخاب کر رکھا ہے کہ معاشرت میں کہیں اس کا نام ہی نہیں صاحبو! سنت تو یہ ہے کہ ہر چیز میں اتباع ہو چنانچہ ان بزرگوں کا اتباع دیکھئے ہم ہوتے تو شاید فرض بھی یاد نہ آتا اور سنت تو درکنار مگر انہوں نے کہا کہ اس وقت لینا سنت کے خلاف ہے کیونکہ اشراف نفس ہے[۲] اور ان سے بڑھ کر ان کے شاگرد کا ادب اور اتباع سنت دیکھئے کہ پھر اصرار نہ کیا ہم سے وال ہوتے[۳] تو ہاتھ پکڑتے منت کرتے۔ غرض جس طرح ہوتا ان کے سر کر کے آتے لیکن ان کا ادب دیکھئے کہ عرض کیا کہ حضرت بہت اچھا اٹھا کر سینی گھر چل دیئے۔ آپ کہتے ہوں گے کہ عجب بے مروت تھے لیکن

کار پاکاں را قیاس از خود میگر

''نیک لوگوں کے کام کو اپنے اوپر مت گمان کرو''

اس ادب اور خدمت کے جمع کرنے پر ان کو جوش اٹھا اور سینہ سے لگالیا

(۱) اس کو قبول کرنے میں ایک بات رکاوٹ بنتی ہے (۲) دل میں اس کے لینے کا تقاضہ ہو رہا ہے (۳) ہم جیسا کوئی ہوتا۔

اور فرمایا کہ واقعی جب کوئی خدمت کرنا چاہے تو اس کی ہزاروں صورتیں ہیں ایک ہم ہیں کہ ستا کر خدمت کرتے ہیں۔

صحابہ j کا طرز

صحابہ j کا طرز یہ تھا کہ وہ آپ کی مرض کو دیکھتے تھے حتیٰ کہ جس وقت ہنسی کا موقع دیکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک صحابی کی کوکھ میں انگلی چبھودی انہوں نے کہا کہ میں بدلہ لوں گا آپ نے اجازت دی انہوں نے کہا کہ میرے بدن پر تو کرتہ نہ تھا۔ آپ نے کرتہ اٹھادیا۔ وہ دوڑ کر لپٹ گئے اور بوسہ دیا اور عرض کیا کہ میرا تو یہ مطلب تھا۔ تو صحابہ کی حالت یہ تھی اتنے بے تکلف تھے اور ایک قصہ ہے کہ صحابہ میں ایک شخص تھے۔ فارس کے رہنے والے وہ شوربہ اچھا پکاتے تھے۔ ایک بار وہ حضور کی دعوت کرنے آئے۔ آپ نے حضرت عائشہ کے لئے بھی اجازت چاہی انہوں نے انکار کردیا۔ آپ نے دعوت سے انکار کردیا وہ چلے گئے پھر لوٹے اور اسی طرح دو تین بار ہوا۔ تیسری مرتبہ میں حضرت عائشہ کو بھی اجازت دی تو آپ نے اتنا بے تکلف کر رکھا تھا۔

حضور ﷺ کے مزاح میں حکمت

اور اس قدر آپ نے ایک خاص حکمت سے بے تکلف فرمایا تھا اس حکمت کو میں نے کہیں کتاب میں نہیں دیکھا لیکن اب خواب میں اس کا القا ہوا میں نے انگلستان کی ایک شہزادی کو خواب میں دیکھا کہ اسلام پر شبہ کرتی ہے میں نے کہا کہ وہ کیا شبہ ہے۔ کہا کہ حضور ﷺ مزاح فرماتے تھے۔ اور یہ متانت کے خلاف ہے اور نبوت کے لئے متانت لازم ہے میں نے کہا کہ یہ شبہ جب ہوسکتا ہے کہ

جب آپ مزاح اور ہنسی کو مقصود سمجھتے ہوں وہ تو ایک حکمت کی وجہ سے تھی کہ آپ کو خدا تعالیٰ نے ایک رعب عطا فرمایا تھا چنانچہ حضور ﷺ کی ہیبت (۱) مشہور ہے اس حالت میں ممکن نہ تھا کہ لوگ دین کی باتیں پورے طور پر بے تکلف دریافت کریں اس لئے مزاح کے واسطے سے آپ لوگوں کو بے تکلف بناتے تھے تو اس کی تسلی ہو گئی تو حضور ﷺ کی تو یہ حکمت تھی کہ ہماری اس بے تکلفی سے محبوب راضی ہوں صحابہ کا مشرب یہ تھا کہ۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو جاں شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

''زندہ کریں آپ کی عطاء ہے اور اگر قتل کریں آپ پر فدا ہوں دل آپ پر مبتلا ہے جو کچھ کریں آپ سے راضی ہوں''

وہ ہر چیز میں حضور ﷺ کی مرضی کو دیکھتے تھے انہوں نے اپنے ارادوں کو فنا کر دیا تھا تو صحابہ نے دیکھا کہ حضور ﷺ اس پر راضی ہیں کہ ہم سوار ہوں تو سوار ہو گئے تو حضور ﷺ میں اتنی تواضع بڑھی ہوئی تھی کہ اتنے اجر کی ضرورت کو بھی ظاہر فرما دیا۔

توکل کے معنی

تو ہم کو بھی اجر کی ضرورت ہے تو اس کی بہتر تدبیر کرو جیسے کہ روٹیوں کے لئے تدبیر ہے ہمارے بھائیوں کو روٹیوں کے لئے تو یہ شعر یاد ہے کہ

شرط عقل ست جستن از درہا

''روزی کے اسباب کی تلاش عقل کی شرط ہے''

لیکن آخرت کی روٹیوں کے لئے کچھ بھی یاد نہیں حالانکہ خدا نے یہاں کی

(۱) رعب۔

روٹیوں کے لئے تو یہ فرمایا ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہاں کے لئے ارشاد ہے: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا﴾ ''جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اور جو شخص برا عمل کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا'' تو یہاں کے لئے تو اس قدر ذکر اور وہاں کے لئے متوکل تو اگر ایسا بڑا توکل ہے تو دنیا کے لئے توکل کیجئے تو یہ الٹا توکل کیسا ہے اور پھر یہ توکل بھی تو نہیں کہ عمل کو چھوڑ بیٹھے ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھے رہے توکل کی حقیقت وہی ہے جو توکیل کی ہے تو جب آپ کسی کو وکیل بناتے ہیں تو کیا آپ بے فکر ہو جاتے ہیں۔

اب اگر وکیل کہے کہ شاہد (۱) لاؤ اور آپ کہیں کہ جناب اب مجھ سے کیا واسطہ جبکہ میں آپ کو وکیل بنا چکا تو ہر شخص آپ کو نادان (۲) کہے گا۔ توکیل بنانے کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کام کو یہ نہیں سمجھ سکتا اس کو دوسرے کے سپرد کر دیا ہے کہ اس کے بتلانے کے موافق کرتا رہے پس توکل بھی یہی کہ خدا کے سپرد کام کر کے تدبیر کرو اور وہ جو بتلاتا جائے کرتے جاؤ اب توکل اس کو سمجھا ہے کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہیں۔ غرض توکل یہ ہے کہ جو خدا نے بتلایا ہے وہ اس کے بتلانے سے کرو مثلاً یہ بتلایا ہے کہ جو نماز پڑھے گا وہ جنت میں جاوے گا تو نماز پڑھو خلاصہ یہ ہے کہ اجر کی سب کو ضرورت ہے تو اس کی بتلائی ہوئی تدبیر اختیار کریں اور وہ تدبیر اور طریقہ وہ ہے جو اس مقام پر ذکر فرمایا ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ الخ پس اس میں ایک امر تو یہ ہے (۳) کہ خدا سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے دوسرا امر فرمایا ہے کہ سنو اور تیسرا امر ہے اطاعت کرو اور چوتھا یہ ہے کہ خرچ کرو تمہارے لئے بہتر ہوگا اور یہ یا تو اخیر کے ساتھ ہے یا سب کے ساتھ ہے پس یہ چار امر (۴) ہیں اور ظاہر میں

(۱) گواہ (۲) بے وقوف (۳) حکم (۴) چار حکم ہوئے۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوامر سب الگ الگ ہیں تو اگر ایسا ہوتا بھی تو بھی مضائقہ نہ تھا لیکن واقع میں اس میں ربط بھی ہے اور اس سب مجموعہ سے مقصود ایک ہی چیز ہے جو کہ اصل ہے یعنی اطاعت اور یہ دوسرے اوامر اس کے طرق ہیں۔(۱)

آجکل کا تقویٰ

تفصیل اطاعت کی یہ ہے کہ اول دیکھا جاوے کہ ہماری ترکیب (۲) کتنے اجزاء سے ہے تو انسان میں دو چیزیں ہیں ایک جوارح ایک قلب(۳) یا ایک ظاہر اور ایک باطن تو خدا نے اس اطاعت کی تفصیل فرمائی کہ اول اتقو اللّٰہ اللہ سے ڈرو فرمایا ہے یہ تو قلب کے متعلق ہے نہ جیسا کہ آجکل ہمارے بھائیوں نے تقویٰ کو خاص پانی کی احتیاط میں لیا ہے نفس بھی بڑا سمجھدار ہے کہ پانی میں تقوی تجویز کیا کیونکہ پانی سستا ہے اسی واسطے ہمارے بھائیوں نے کبھی کھانے میں تقوی نہیں تجویز کیا۔ پانی کی دو قسمیں کیں طاہر و نجس(۴)۔ لیکن کھانے کی ایک قسم ہے کہ سب حلال ہے۔ بہن کا رکھ لو وہ بھی حلال ہے چندہ کا روپیہ کھا جاؤ وہ بھی حلال ہے البتہ اگر اس میں گھی نہ ہو تو وہ حرام ہے۔

جاہل واعظین

چنانچہ رڑکی میں ایک واعظ صاحب گئے ایک شخص نے ان کی دعوت کی۔ کہنے لگے کہ بھائی میں تو ایک خاص قسم کا کھانا کھایا کرتا ہوں اور اس کو ہماری ماما پکا سکتی ہے اس لئے میں دوسری جگہ نہیں جاسکتا نقد دیدو مگر اس نے کھانے ہی پر اصرار کیا۔ آخر کھانا بھیجنے کی اجازت دی گئی وہ کھانا لایا تو واعظ صاحب نے اس کو

(۱) دوسرے احکام اس کے طریقے ہیں (۲) ہم کتنے اجزاء سے ملکر بنے ہیں (۳) دل اور اعضاء (۴) پاک اور ناپاک۔

مسجد میں رکھ کر اور کھول کر سب نمازیوں کو دکھلایا کہ دیکھو بھائی یہ دعوت کا کھانا ہے گھی کتنا کم ہے۔ بوٹیاں پلاؤ میں بھی نہیں ہیں۔ غرض وہ رسوا کیا کہ خدا کی پناہ۔ وہاں سب لوگوں نے مولویوں کو برا بھلا کہا مگر واقع میں وہ مولوی نہ تھے یعنی وہ صاحب عالم نہ تھے کیونکہ علم کے ساتھ اگر تقوی بھی نہ ہو۔ تاہم وہ ایک کمال ہے اور صاحب کمال میں خواہ وہ کمال کیسا ہی ادنی درجہ کا ہو ایک طرح کی انسانیت اور غیرت ہوتی ہے حتی کہ ایک بڑھئی جو کہ ادنی درجہ کا ہے اس میں بھی ایک شان استغناء کی ہوتی ہے تو جب بڑھئی کے پیشہ میں یہ شان ہے تو کیا علم دین میں کچھ بھی نہ ہوگا باقی اس کا کچھ علاج ہی نہیں کہ کوئی راہ نجات دیکھ کر واعظ ہو جاوے اور جہلاء اس کو عالم سمجھنے لگیں اس کا علاج صرف یہ ہے کہ آپ کسی مولوی کا وعظ اس وقت سنیں جب اس کے پاس کسی مسلّم (۱) عالم کی سند دیکھ لیں اور میں اس مشورہ سے ان کی روزی نہیں مارتا۔ وعظ سننے سے منع کرتا ہوں باقی خالی لینا دینا تو تم ان کو پہلے دے دیا کرو تو غرض یہ ہے کہ یہ لوگ مولوی نہیں اور میں تو کہا کرتا ہوں کہ لوگوں نے مولویوں کو دیکھا نہیں کیونکہ آپ نے ان کے دروازوں پر جانا چھوڑ دیا۔ انہوں نے آپ کے دروازوں پر آنا چھوڑ دیا اور نام کے مولویوں کا تو یہ حال ہے کہ میں کیا بتاؤں کہ ایک جگہ دیکھا کہ کرایہ پر ایک مولوی صاحب جھگڑ رہے تھے کہ اتنا کرایہ دو اور بلانے والے حساب کتاب بتلا رہے تھے۔

عوام کا حال

غرض ایسے پیشہ لوگوں کی نظر اس پر ہے کہ کھانا کیسا تھا۔ اور ہمارے لینے کو اسٹیشن پر آئے تھے یا نہیں تو غرض جب لکھے پڑھوں کی یہ حالت ہے تو عوام

(۱) مستند عالم کی سند دیکھ لیں۔

الناس اور دنیاداروں کی شکایت کیا ان کو زیادہ حق ہے کہ حلال ہونے کا معیار صرف یہ سمجھیں کہ اس میں گھی ہو البتہ پانی کا تقویٰ سہل تھا[1] اس کو اختیار کرلیا اور وہ بھی ہندوستان میں ہے میں نے حج کے سفر میں دیکھا کہ ایک صاحب نے جو کہ یہاں بڑے متقی تھے وہاں پانی سے استنجا بھی چھوڑ دیا تھا تو آدمی حد سے زیادہ نہ بڑھے۔ شریعت نے اعتدال سکھایا ہے۔ غرض پانی میں اس لئے تقویٰ ہوتا ہے کہ وہ بہت ہے اور کھانا بہت کہاں اور پھر حلال کہاں اس لئے اس میں حلال وحرام کے قصہ ہی کو حذف کردیا اور خواہشوں کو خوب وسعت دے دی حتیٰ کہ ہمارے بھائی بعض ایسے بھی ہیں کہ وہ بغیر گوشت کے کھانا ہی نہیں کھاتے مگر صاحبو! دنیا کی لذّات سب ہیچ ہیں خواہ وہ کھانے کی ہوں یا نگاہ کی یا ہاتھ کی لوگ ان کو خفیف سمجھتے ہیں خصوصاً تمتعات (۲)شہوانیہ کو لیکن ان کے بارے میں کسی نے خوب کہا ہے۔

لب برلب دلبران مہوش کردن آہنگ سرزلف مشوش کردن
امروز خوش ست لیک فردا خوش نیست خودرا چونسے طعمۂ آتش کردن

''حسینوں کے لب پر لب رکھنا اور زلف مشوش کرنے کا ارادہ کرنا آج (دنیا میں) اگر اچھا معلوم ہوتا ہے تو کل قیامت کے دن اچھا نہیں۔ اپنے آپ کو دوزخ میں جلانا ہے''

ایک بزرگ کو کسی بادشاہ نے لکھا کہ ہم مرغ کھاتے ہیں اور تم خشک روٹی۔ ہم حریر پہنتے ہیں اور تم گدڑی تو تم سخت مصیبت میں ہو۔ ہمارے پاس آجاؤ ہم خوب خدمت کریں گے۔ انہوں نے جواب میں لکھا ہے۔

خوردن تو مرغ مسمے دے طعمۂ ما نانک جویں ما
پوشش تواطلس ودیبا و حریر بخیہ زدہ خرقہ پشمین ما

(۱) آسان (۲) شہوانی لذتوں کو۔

’’تمہارا فربہ مرغ کھانا اور ہمارا جو کی روٹی کھانا ایک دم کے لئے ہے تیرا لباس ریشم واطلس کا ہے اور ہمارا خرقہ پشمین بخیہ زدہ ہے‘‘

آخر میں فرماتے ہیں کہ:

نیک ہمیں ست کہ مے بگذرد   راحت تو محنت دوشین ما
باش کہ تا طبل قیامت زنند   آن تو نیک آید ویا این ما

’’ذرا صبر کر قیامت میں معلوم ہو جائے گا کہ وہ تمہاری راحت اچھی تھی یا ہماری محنت‘‘

یعنی اس روز معلوم ہوگا کہ وہ حالت اچھی تھی یا یہ۔ حضرت! نہ تو تمام عمر کباب پیٹ میں رہتا ہے نہ سوکھے ٹکڑے تو انجام پر نظر کیجئے تو تقویٰ تو اس میں زیادہ ہونا چاہیے نیز پانی میں تو وسعت بھی ہے۔ اگر کہیں حنفیہ کے ہاں تنگی ہے تو شافعی مالک کے ہاں وسعت ہے۔ بخلاف کھانے کے کہ مثلاً رشوت چاروں ہی مذہب میں ممنوع ہے۔ تو جہان وسعت تھی وہاں یہ تنگی اور جہاں تنگی تھی وہاں یہ وسعت۔

تقویٰ کی حقیقت

سو تقویٰ حقیقت میں یہ نہیں جس کو لوگوں نے تجویز کیا ہے۔ تقویٰ وہ ہے کہ جو حدیث میں ہے الا ان التقویٰ ھھنا واشار الی صدرہ (۱) ہاں ظاہری درستی بھی اس پر مرتب ہوتی یہ تو اصل لغت میں اس کی حقیقت ہے ڈرنا اور شریعت میں ایک مضاف الیہ کی تخصیص ہے کہ خدا سے ڈرنا پس تقویٰ تو افعال قلوب سے ہے تو فاتقو اللہ میں تو یہ فرمایا کہ قلب کو درست کرو جو کہ قلب کی اطاعت ہے اس کے بعد فرمایا واسمعوا یہ جوارح کا فعل اور اس کی اطاعت ہے بس حاصل یہ ہوا کہ

(۱) آگاہ ہو جاؤں کہ تقویٰ یہاں ہے اور آپ ﷺ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا یعنی دل میں۔

تم ظاہر اور باطن دونوں کو اطاعت میں مشغول کرو۔ یہ ہے اصلاح مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نے تو صرف ظاہر کی درستی پر اکتفا کیا ہے کہ داڑھی اور پاجامہ درس تو کرلیا اور دوسروں پر ہزاروں طعن کریں گے اگرچہ قلب کی حالت کیسی ہی ہو۔ حدیث میں ہے کہ ایک قوم ہوگی کہ یلبسون جلود الضان والسنتھم احلی من السکر وقلوبھم امر من الذباب ۔ بھیڑ بکری کی پوستین پہنیں گے اور ان کی زبانیں شکر سے زیادہ شیریں ہوگی اور دل بھیڑیوں سے زیادہ سخت ہوں گے اور یلبسون کے یا تو یہ معنی ہیں کہ فقیرانہ لباس پہنیں گے یا یہ کہ ظاہر میں ایسے نرم بنیں گے مگر قلوب ان کے گرگ (۱) سے سخت ہوں گے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

از بروں چوں گور کافر پر حلل — واندروں قہر خدا عزوجل

ظاہر سے تو گور (۲) کافر کی طرح آراستہ ہے اور باطن میں خدا کا غضب وقہر نازل ہے۔ کہ ظاہر تو ایسا اور باطن ایسا خبیث تو ایک طبقہ ایسا ہوگیا اور دوسرا ایک طبقہ ان کا مقابل ہو کہ

در عمل کوش ہرچہ خواہی پوش

”عمل میں کوشش کرو اور جو جی چاہے کرو“

لیکن کبھی انہوں نے زنانے کپڑے نہیں پہنے۔ صاحبو! اس مقابل کے دعوے میں دو جزو ہیں۔ ایک تو یہ کہ ظاہر میں کیا رکھا ہے تو اس کی تو نصوص سے تغلیط ہوگئی (۳) دوسرا جز یہ کہ باطن ٹھیک ہونا چاہیے تو یہ درست مگر یہ غلط کہ ان کا باطن درست ہے کیونکہ ظاہر تابع باطن کے ہوتا ہے اگر باطن درست ہوتا تو ظاہر جو کہ تابع ہے وہ کیسے نہ درست ہوتا اگر آپ کسی حاکم کے سامنے جاویں اور آپ

(۱) بھیڑیئے (۲) کافر کی قبر (۳) قرآن وحدیث سے اس کا غلط ہونا ثابت ہے۔

سلام بھی نہ کریں اور جب باز پرس ہو تو آپ کہیں کہ جناب میرا قلب آپ کی محبت وعظمت سے پر ہے تو وہ حاکم کہے گا کہ ہرگز نہیں ممکن نہیں کہ قلب میں محبت وعظمت ہو اور پھر گردن نہ جھک جاوے تو اگر ظاہر خراب ہے تو یہ دلیل ہو سکتی ہے ان کی کہ باطن ہرگز درست نہیں۔ مرزا قتیل کی ایک حکایت یاد آئی کہ یہ نہایت آزاد تھے لیکن صوفی المشرب (۱) اور کلام بھی صوفیانہ مذاق کا ہوتا ہے کسی ایرانی کو ان کے کلام سے دھوکہ ہوا کہ یہ شخص صاحب حال ہے اور مرزا سے ملاقات کا شوق ہوا آخر وہ دہلی آئے اور آ کر اس حالت میں دیکھا کہ بیٹھے ریش تر شوار ہے (۲) ہیں اس ایرانی نے کہا کہ ''آغا ریش می تراشی'' جناب کیا ریش ترشواتے ہیں مرزا قتیل نے جواب دیا کہ ''بلے ریش می تراشم لیکن دل کسے نمی خراشم''۔ ہاں ریش ترشواتا ہوں لیکن کسی کے دل کو رنجیدہ نہیں کرتا۔ آج کل یہ بہت زبان زد ہے کہ بس کسی کو آزار مت دو یہی سب کچھ ہے اور یہ شعر سب نے یاد کر رکھا ہے۔

مباش درپے آزار ہرچہ خواہی کن ۔۔۔ کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

کسی کے ستانے کے درپے نہ ہو جو چاہے کرو اس لئے ہماری شریعت میں بجز اسکے اور کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس مسافر نے فی البدیہ (۳) یہ جواب دیا کہ ارے دل رسول اللہ می خراشی (۴)۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ ہفتہ میں دو مرتبہ آپ پر اعمال پیش ہوتے ہیں اس سے مرزا قتیل پر ایک حالت طاری ہوئی اور آنکھیں سی کھل گئیں ہوش آیا تو بزبان حال کہا کہ:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی ۔۔۔ مرا باجان جاں ہمراز کردی

---

(۱) صوفی قسم کے تھے شاعری بھی صوفیانہ کرتے تھے (۲) داڑھی منڈا رہے ہیں (۳) فورا یہ جواب دیا (۴) ہاں کیوں نہیں رسول اللہ ﷺ کے دل کو تو تکلیف پہنچا رہے ہو۔

حق تعالیٰ تجھ کو جزائے خیر عطا فرمائے تو نے میری آنکھیں کھول دیں مجھ کو محبوب حقیقی سے ہمراز کردیا۔

اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ مباش درپے آزار ہرچہ خواہی کن: ۔ کا کیا مطلب ہے یعنی حضور ﷺ کو بھی نہ ستاؤ تو مطلب یہ ہوگا کہ خلاف شریعت نہ کرو پس یہ بالکل غلط ہے کہ ظاہر میں کیا رکھا ہے اور اگر غور کرو تو اس کے معنی تو یہ نکلتے ہیں کہ ہمارا قلب تو عبد ہے اور جوارح عبد نہیں۔ (۱) یہ تو ایسی مثال ہے کہ آدھا عملہ درست ہو اور آدھا درست نہ ہو (۲) تو خدا تعالیٰ نے ہم کو دو عملے دیئے ہیں۔ ایک ظاہر ایک باطن تو اطاعت میں سب ہی مقید ہیں۔ (۳) چنانچہ خداوند جل جلالہ نے اتقوا کے ساتھ اسمعوا فرما کر ظاہر فرمادیا کہ دونوں ہی درست ہیں اور اسی میں مقائسہ کے طور پر سارے جوارح لے لئے کیونکہ جارحہ سمع و دیگر جوارح میں (۴) کوئی وجہ فرق کی نہیں پھر اس کے بعد اطیعوا فرمادیا کہ کوئی کسی خاص عمل کی تخصیص نہ سمجھ جاوے اور اطیعوا میں ایک بات ہے طالب علموں کے سمجھنے کی وہ یہ کہ اطاعت مشتق طوع سے ہے اور طوع کہتے ہیں رغبت کو تو ترجمہ اس کا یہ ہے کہ خوشی سے کہنا مانو اور خوشی قلب میں ہوتی ہے اور کہنا ماننا جوارح کو بھی عام ہے پس اس میں بھی جمع بین الباطن والبطان ہوگیا۔

اطاعت کی اقسام

آگے ارشاد ہے: ﴿اَنۡفِقُوۡا خَيۡرًا لِّاَنۡفُسِكُمۡ﴾ خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس میں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ طاعات دو قسم کی ہیں ایک مالی ایک

(۱) ہمارا دل تو غلام ہے اعضاء غلام نہیں (۲) آدھے ملازم ٹھیک آدھے خراب (۳) اللہ کی فرمانبرداری ہر ایک پر لازمی (۴) سننے والے اعضاء اور دوسرے اعضاء میں کوئی فرق نہیں۔

بدنی ہر چند کہ اطیعوا (اطاعت کرو) میں سب آ گئے ہیں لیکن چونکہ حرص ہم میں غالب ہے چنانچہ اکثر کا مذاق یہ ہے کہ

گر جاں طلبی مضائقہ نیست وگرزر طلبی سخن دریں است

''اگر جان مانگو مضائقہ نہیں اگر مال مانگو اس میں کلام ہے''

لوگوں کی اللہ سے محبت کا حال

اللہ میاں سے لوگوں کو ایسی محبت ہے جیسے ایک بخیل کو اپنے دوست سے تھی کہ مانگنے پر بھی انگوٹھی نہ دی اور اس کی اس مصلحت کے جواب میں کہ اس کو دیکھ کر تمہیں یاد کیا کروں گا یہ کہا کہ جب اپنا ہاتھ خالی دیکھنا یاد کرلیا کرنا کہ ہم نے انگوٹھی مانگی تھی نہیں دی تو ایسی ہی محبت اللہ میاں سے بھی آج کل مسلمانوں کو ہے۔

انفاق مالی

مجھے یاد آ گیا کہ بہت لوگ ایسے ہی کہ انہوں نے بیہودہ موقع پر دس ہزار روپیہ دیا اور ایک دینی موقع پر سو روپیہ دیا حالانکہ وہ موقع ایسا تھا کہ سارا گھر دیدیں اور انفاق فی سبیل اللّٰہ کی ایک ایسی صورت یہ کہ کچھ بار ہی نہیں پڑتا جس کو میں نے اٹاوہ میں لکھا تھا کہ تمہارے گھر میں بہت سی چیزیں بیکار ہوں گی تو تم فی سبیل اللّٰہ وہی دیدو اس میں تمہارا کیا حرج ہے۔ بحمداللہ اس پر لوگوں نے عمل کیا اور لکھا تھا کہ ٹھیلے کے ٹھیلے آتے ہیں اور اس میں ایک ذرا اور توسیع کرلو اس طرح ایک تو وہ چیزیں ہیں کہ ناکارہ ہیں ان کے متعلق تو تجویز پیش کر ہی چکا اور ایک وہ ہیں کہ ہیں تو کام کی ان کی سال سال بھی ضرورت نہیں ہوتی ۔ مثلاً میز، کرسی، پلنگ حتٰی کہ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں کہ ان کا ہونا معلوم بھی نہیں کہ آیا ہمارے گھر میں ہے بھی

یا نہیں تو اگر ایسی چیزیں نکل جاویں تو کیا حرج ہے ایسی اشیاء کی نسبت خوب کہا ہے

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش

انچہ اوکار داریم اکثرے درکار نیست

صاحب حرص قانع نہیں ورنہ پھر اسباب زندگی ہمارے پاس ایسے ہیں جو کام میں نہیں آئے۔تو ان کو بھی دیدیا جاوے اس میں کیا مشکل ہے غرض عبادت مالیہ میں چونکہ غلبہ حرص میں ہمارا یہ مذاق ہے اور اس میں ہمت کم ہے اس لئے عبادت مالی کو علیحدہ بھی ذکر فرمایا اور اس پر وعدہ فرمایا خیر کا۔

کلام اللہ کی خوبی

اور ایک بات میری سمجھ میں آئی کہ خداوند کریم کا کلام طب کامل ہے طب میں ایک تو دوا ہوتی ہے اور ایک پرہیز۔قرآن شریف میں ہر جگہ اس کی رعایت کی ہے یہاں وہ اس طرح ہے ہمارے اکثر امراض کا سبب ہے حب دنیا یہ وقت زیادہ نہیں ہے ورنہ میں اس کو مفصل ذکر کرتا اور دنیا میں بھی سب سے زیادہ محبوب ہے مال کہ اکثر گناہوں کا ذمہ دار یہی ہے تو خدا تعالیٰ نے اتقوا سے پرہیز بتلایا ہے کہ یہ پرہیز کرو ورنہ اطاعت کہ دوا ہے اس کے اثر کی گاڑی چلے گی نہیں۔

ہمارے اعمال کی حالت

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ ہم میں جب تک مال ہے اس وقت تک ہم اطاعت شروع کرتے ہیں لیکن چلتی نہیں جیسے ٹھیلی ہوئی گاڑی (۱) کہ جہاں چھوڑ دی وہاں ہی رک گئی تو اب تو ہم اپنے کو ٹھیل رہے ہیں کہ گھسیٹ کر اٹھایا تو تہجد کے لئے اٹھے اور نہ اٹھایا تو نہ اٹھے دل میں شوق نہیں ہے اور واقعی اکثر کام شوق ہی سے

(۱) جس گاڑی کو دھکا دیکر چلایا جائے۔

ہوتے ہیں اسی کو کہتے ہیں۔

صنمارہ قلندر سزدار بمن نمائی　　که دراز دور دیدم ره ورسم پارسائی

”طریق خشک بہت دور دراز کا راستہ ہے مجھے تو آپ طریق عشق میں چلائیے“

تو نری پارسائی بدون شوق کے چلتی نہیں بلکہ وہ حالت ہوتی ہے کہ۔

بز میں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا آمد　　کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند　　تو برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

”جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی کہ تو نے ریا کا سجدہ کر کے مجھے بھی خراب کیا۔ خانہ کعبہ کے طواف کو گیا تو حرم نے مجھ کو راستہ نہ دیا اور کہا کہ تو نے حرم کے باہر کیا کیا ہے جو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے“

تو یہ حالت ہے ہمارے اعمال کی جب قلب میں کوئی حصہ محبت کا نہ ہوا اور وہ اس وقت آتا ہے کہ غیر کی محبت نکلے۔ ایک بزرگ کا قول ہے:

حب حق ہو دل میں یا حب پسر　　جمع ان دونوں کو تو ہرگز نہ کر

آجکل کا تصوف

اکثر طبائع میں یہ حب غیر برنگ حب مال زیادہ ظاہر ہوا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے ایک لطیف طریقہ بتلایا ہے اس کے نکلنے کا کہ خرچ کیا کرو واللہ العظیم کوئی بتلا نہیں سکتا کیا خبر ہوسکتی ہے کسی کو معانی کے خواص کی۔ صاحبو! حکماء صرف خواص اجسام کو دریافت کر سکے مگر انبیاء علیہم السلام نے خدا کے بتلانے سے معانی کے خواص کو بتلایا ہے مثلاً حب مال کے خاصہ کو دیکھ کر اس کا علاج بتلایا ہے کہ خرچ

کیا کرو اور علاج بھی کیسا آسان کہ جس میں نہ محنت ہو نہ مشقت ہر شخص کر سکے وہ تعلیم نہیں جو غیر محقق کی ہوتی ہے کہ اس میں ایسی سخت شرطیں لگاتے ہیں کہ خدا کی پناہ ایسے لوگوں کی تعلیم پر یہ یاد آتا ہے کہ

خستگاں راچوں طلب باشد وقوت نبود گر تو بیداد کنی شرط مروت نہ بود

''ضعیفوں میں جب طلب ہو اور قوت نہ ہو، اگر تو ان پر ظلم کرے تو یہ شرط مروت نہیں ہے''

اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اس کا ایک بندہ ایسا بھی ہے جو اس تک پہنچنے کے قابل نہیں حالانکہ وہاں سفر عام ہے اور اس میں اس کی پوری رعایت ہے کہ۔

طفل را گرناں وہی برجائے شیر طفل مسکیں را ازاں ناں مردہ گیر
چار پارا قدر طاقت بار نہ برضعیفاں قدر قوت کار نہ

''اگر لڑکے کو بجائے دودھ کے روٹی دینے لگو تو اس غریب کو اس روٹی کے بدولت مرد ہی سمجھ لو۔ چار پایہ پر اس کی طاقت کی بقدر بوجھ رکھنا چاہئے اسی طرح ضعیفوں پر ان کے قوت کے قدر کام ڈالنا چاہئے''

تو جو مشائخ غیر محقق ہیں ان کے ہاں محض روٹیاں ہیں دودھ نہیں وہ بچہ کو بھی روٹی کھلاتے ہیں۔ اور قرآن وسنت میں تو سب کچھ ہے یہ غضب نہیں کہ سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکا جاوے تصوف یہ ہے جو آج گم ہے (۱) کیونکہ اب تو ہر شخص کو ایک ہی لکڑی سے ہانکتے ہیں کہ بیوی کو چھوڑ و اور اولاد کو عاق کردو گو بعض ایسے بھی ہیں جو ان تعلقات سے مجرد رکھے جاتے ہیں مگر بعض ایسے بھی ہیں کہ نوکری بھی کریں اور صوفی بھی بنیں میں نے اس کو خاص طور سے اس لئے ذکر کیا

(۱) ناپید ہے۔

کہ آجکل لوگ اپنے کو تحصیل کمالات باطن سے اس بناء پر بہت معذور سمجھتے ہیں کہ نہ تو ہم سے نوکری چھوڑی جاوے گی نہ بیوی چھوڑی گی۔

حقیقی تصوف

سو بےفکر رہو یہ چیزیں نہیں چھوڑائی جاویں گی ہاں یہ ضرور ہے کہ رشوت سے روکا جاوے گا۔ نیز آپ پر محنت شاقہ ڈالی جاوے گی جتنی قوت ہو اتنا ہی بتلایا جاوے گا چنانچہ جو محقق ہیں وہ دماغی قوت اور فرصت کو دیکھ کر تعلیم کرتے ہیں اور سب کو الگ الگ بتلاتے ہیں اور اسی وجہ سے تصوف کی تعلیم مخفی ہے کہ ہر ایک کا حال جدا ہے تو علانیہ تعلیم میں احتمال ہے کہ ایک طالب براہ ہوس دوسرے کی تعلیم پر بلا اجازت عمل کرنے لگے یہ وجہ ہے اس کے مخفی تعلیم کی نہ اس وجہ سے جو کہ مشہور ہے کہ تصوف کے مسائل سینہ بسینہ علاوہ شریعت کے چلے آتے ہیں دوسری اس میں یہ حکمت ہے کہ خلوت کی بات خصوصیت کی سمجھی جاتی ہے اور اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے تو بہر حال محققین کے یہاں ہر شخص کو اس کی حالت کے موافق تعلیم دی جاتی ہے قوی کو اس کے موافق ضعیف کو اس کے موافق جب اس میں اس قدر سہولت ہے تو یہ دولت اصلاح باطن ہر شخص کو حاصل ہوسکتی ہے چنانچہ حب دنیا کو نکالنے کے لئے ظاہراً کیسی مشکل پیش آئی تھی مگر خدا تعالیٰ نے اس کا بھی کیسا آسان طریقہ بتلا دیا کہ خرچ کیا کرو تو اب کیسی جامع تعلیم ہوگئی کہ مرض بتلایا دوا بتلائی پرہیز بتلا دیا اس لئے ان کو اس جگہ جمع کر دیا گیا اور ہر ایک میں مناسب مناسب اور مفید رعایتیں فرمائیں۔ میں ہر ایک کو مفصل ذکر کرتا مگر وقت گذر گیا ہے اور مجملاً ذکر بھی ہوگیا ہے اس لئے میں سب کا قدرے قدرے بیان کرتا ہوں پس اتقوا اللّٰہ میں یہ قید لگائی کہ ما استطعتم جس سے معلوم ہوا کہ ہم کو اسی قدر کا

مکلّف کیا گیا ہے کہ جس قدر طاقت ہو اگر اس پر کوئی کہنے لگے کہ ہم کو تو صرف ایک ہی وقت کی نماز کی طاقت ہے تو جواب یہ ہے کہ تم نے صرف اسی کو دیکھا ہے دوسرے مقام کو نہیں دیکھا کہ حق تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز کا مکلّف فرمایا اور پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اس سے صاف معلوم ہوا کہ جتنے کا مکلّف فرمایا ہے اس کی طاقت ضرور ہے پس اب جو یہاں فرمایا مَا اسْتَطَعْتُمْ تو مطلب یہ ہوا کہ جتنا تم کو بتلایا سب کرو اور یہ عنوان دل بڑھانے کے لئے فرما دیا جیسے کوئی نوکر سے کہے کہ تم سے یہ کام تو ہوسکتا ہے تو جو ہوسکتا ہے وہ تو کرو تو گویا تصریحًا متنبہ کیا کہ تم سے تو ہوسکتا ہے تو یہ شبہ تو دفع ہوگیا۔

عدم توجہی

اب ایک اور شبہ رہا کہ یہ تو مشاہدہ ہے کہ نہیں ہوسکتا تو یہ دعویٰ مشاہدہ کا بالکل غلط ہے بات یہ ہے کہ آپ ہمت نہیں کرتے اس لئے کچھ ثقل (۱) معلوم ہوتا ہے جس کو آپ نے سمجھ لیا کہ نہیں ہوسکتا اس کی مثال ایسی ہے کہ آپ کو رات کے وقت خفیف ترشح (۲) میں پیاس لگے مگر سردی کی وجہ سے آپ کو باہر جانا ایسا دشوار ہوا کہ یوں سمجھے کہ ہم جا ہی نہیں سکتے لیکن رات کو دو بجے کے وقت ایک سوار آیا اور پروانہ دیا کہ کلکٹر صاحب نے بلایا ہے پس آپ نے معاً (۳) حکم دیا کہ گھوڑا کسو اور بارانی (۴) پہن کر دو میل چلے گئے اور راستہ میں رعد و برق بھی ہوا (۵) سب کچھ ہوا مگر گئے ضرور تو اگر اس وقت پانی پینے کے لئے باہر نکلنا مشکل تھا تو اسی وقت دو

(۱) بھاری معلوم ہوتا ہے (۲) ہلکی بارش میں (۳) فوراً (۴) گھوڑا تیار کرو سواری کے لئے اور برساتی پہن کر چلو (۵) راستہ میں کڑک گرج بارش وغیرہ بھی ہو۔

میل چلنا کیسے آسان ہو گیا تو بات یہ ہے کہ فرق فقط ہمت کا ہے کہ اوّل پیاس کے وقت عزم وارادہ نہ کیا تھا اور اب ارادہ کیا ہے تو جتنے کاموں کو آپ کہہ رہے ہیں کہ نہیں ہوسکتا ان سب میں آپ نے ارادہ ہی نہیں کیا بس یہ ہے وجہ، حضرت مولانا استاذنا کی حکایت یاد آئی کہ نماز کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ایسی نماز ہو کہ جس میں حدیث النفس وسوسہ (۱) نہ لاوے وہ حدیث سبق میں آئی ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت کیا ایسی نماز ہوسکتی ہے۔ مولانا نے کہا خوب فرمایا کیا کبھی ارادہ کیا تھا کہ نہیں ہوئی ویسے ہی سمجھ لیا کہ نہیں ہوسکتی کر کے تو دیکھا ہوتا خلاصہ یہ ہوا کہ تمام اعمال میں پورا تقویٰ اختیار کرو اور وہ سب استطاعت (۲) میں ہے مگر بشرطِ ارادہ۔

علم کا فائدہ

آگے فرمایا ہے واسمعوا اس سے ایک مسئلہ مستنبط کرتا ہوں کہ احکام کا سنن ابھی ایک بہت بڑا مقصود ہے ہم میں جو زیادہ کمی ہوئی ہے اس کا بڑا سبب یہ بھی ہے کہ علم حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں اور ہے بھی تو صرف علم معاش کی طرف اور میں معاش سے منع نہیں کرتا لیکن یہ شکایت ضرور ہے کہ باوجودیکہ معاد غیر محدود غیر منقطع ہے (۳) اور معاش محدود وفانی ہے (۴) پھر غضب ہے کہ غیر محدود تو آپ کی نظر میں وقعت نہ رکھے اور محدود وقعت (۵) رکھے حتی کہ احکام کو معلوم بھی نہ کیا جاوے میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر عمل کی بھی نیت نہ ہو تب بھی علم حاصل کرو چاہیے تو عمل بھی کرنا لیکن اخیر بات ہے کہ اگر یہ بھی نہ ہوسکے تب بھی علم حاصل کیجئے بہت بڑی بڑی خرابیاں دور ہو جاویں گی۔ مثلاً عقائد کی کیونکہ

(۱) کوئی خیال اور وسوسہ (۲) ہماری قدرت میں ہے (۳) آخرت لامحدود اور کبھی نہ ختم ہونے والی ہے (۴) معاش ایک حد تک حاصل ہوتا ہے پھر وہ بھی ختم ہو جاتا ہے (۵) افسوس ہے کہ لامحدود کی اہمیت نہ ہو اور محدود کی اہمیت ہو۔

ان میں تو کچھ کرنا ہی نہیں پڑتا دوسرے اعمال پر یہ اثر ہوگا کہ کبھی توفیق ہوئی عمل کی تو راہ تو معلوم ہوگا مثلاً کسی کو خارش ہو اور وہ علاج کرنا نہ چاہے تب بھی نسخہ تو ضرور ہی حاصل کرے۔ تیسرے یہ نفع ہے کہ اب تو گناہ کرتے ہیں مگر گناہ نہیں سمجھتے جس میں ایمان جانے کا اندیشہ ہے اور بعد حصول علم گناہ تو سمجھے گا تو اس سے جرم قدرے خفیف ہوجاوے گا(۱) اور جرم کا خفیف ہوجانا گو برات(۲) نہ ہو خود یہ بھی ایسا مقصود ہے اگر کسی مقدمہ میں پیروی کرنے سے جرم سے بری ہونے کی توقع نہ ہو مگر خفیف ہوجانے کی امید ہو تب بھی اپیل کریں گے تو معلوم ہوا کہ خفیف ہونا بھی مقاصد میں سے ہے پس علم سے یہ فوائد ہیں اور میں یہ نہیں کہتا کہ سب مولوی بنیں بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ سب لوگ مولوی نہ بنیں لوگ مولویوں کو ناحق ہی بدنام کرتے ہیں کہ یہ سب کو مولوی بنانے کی فکر میں ہیں۔

مولوی بننے کی شرط

مگر یاد رکھو کہ ہم سب کو مولوی نہ ہونے دیں گے کیونکہ مولوی بننے کے معنی ہیں مقتدا بننا اور اس کے لئے ہر شخص اہل نہیں بلکہ اس کے لئے چند شرطیں ہیں کہ اس میں مثلاً تحمل اور وقار بھی ہو اس میں شان استغناء بھی خاص طور سے ہو اور یہ سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس کی حالت طبیب کی سی ہے کہ جس کے لئے یہ امر مضر ہے کہ وہ دوائیوں کی دوکان بھی رکھے کہ اس سے شبہ خودغرضی کا ہوتا ہے ہم لوگوں میں کثرت سے تملق اور حرص ہے(۳) تو اگر ایسا شخص مقتدا ہوجاوے تو قوم کے لئے برا نمونہ ہوجاوے گا اس کی وہ حالت ہوگی کہ۔

زیاں میکند مرد تفسیر داں　　　که علم و عمل می فروشد به ناں

(۱) ہلکا (۲) جرم سے بری نہ ہو (۳) چاپلوسی اور لالچ۔

وہ عالم نقصان کرتا ہے کہ علم وعمل روٹی کے عوض فروخت کرتا ہے۔

ایسا شخص اگر کہیں سفر میں ہوا اور اس کو روپیہ کی ضرورت ہوئی تو وہ ضرور وعظ کہہ کر مانگ لے گا بخلاف صاحب استغناء کے کہ گو حاجت اس کو بھی ہوتی ہے لیکن اس کی غیرت اس کو ظاہر نہیں ہونے دے گی مجھے اس پر ایک شہزادہ کا قصہ یاد آ گیا جو ایک شخص نے بیان کیا تھا کہ ایک والی ملک لکھنؤ میں تھے ایک جلاوطن شدہ شہزادہ ایران سے دوچار ہوگئے شہزادہ نے نواب صاحب کی دعوت کی نواب صاحب نے درخواست کی کہ کبھی ہماری ریاست میں آیئے چنانچہ اتفاق سے یہ شہزادہ ایک سفر میں بالکل مفلس ہوگیا اور اس وقت نواب صاحب کی وہ درخواست یاد آئی اور اس ریاست میں بحال خستہ پہنچے(۱)۔

نواب صاحب نے ان کی یہ حالت دیکھ کر براہ تراحم یہ شعر پڑھا

آنکہ شیراں راکند روبہ مزاج احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

''جو چیز شیروں کو لومڑی مزاج بنادیتی ہے وہ احتیاج ہے احتیاج''

وہ شہزادہ مارے غیرت آگے بن گیا اور فی البدیہہ نہایت تندی کے ساتھ جواب دیا۔

شیر نر کے می شود روبہ مزاج میزند بر کفش خود صدا احتیاج

''شیر نر لومڑی مزاج کب بن سکتا ہے وہ سو ضرورتوں کو جوتے پر مارتا ہے''

اور فوراً واپس ہوگیا نواب صاحب دوڑے کہ خدا کے لئے ذرا ٹھہریئے مگر نہیں ٹھہرا حضرت غیرت علمی تو اس سے بڑھ کر ہوتی ہے اور ایک شرط مقتدا ہونے

(۱) پھٹے پرانے کپڑوں میں ان کے گھر پہنچے۔

کی یہ ہے کہ اس کو حق میں خوف کسی سے نہ ہو اس کی یہ شان ہو کہ

موحد چہ بر پائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں ست بنیاد توحید وبس

''موحد کے پیروں پر خواہ مال و زر نچھاور کرو یا اس کے سر پر تلوار رکھ دو اس کو کسی سے خوف و ہراس اور امید نہیں ہوتی یہی بس توحید کی بنیاد ہے''

تو کیا ہم میں ہر شخص ایسا ہے جو ان شرائط کا جامع ہو ہرگز نہیں جب ہر شخص ایسا نہیں تو آپ ڈریں نہیں کہ ہم سب کو مولوی بناتے ہیں۔

حصول علم

ہاں سب کو عالم ضرور بنانا چاہتے ہیں لیکن عالم ہونے کے لئے عربی پڑھنا ضروری نہیں بلکہ احکام کا دریافت کرنا کافی ہے۔ پس اتنا سب کے لئے بیشک ضروری ہے کہ احکام کو معلوم کریں اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ پڑھ سکتے ہیں وہ تو یہ کریں کہ ایک نصاب مقرر کر کے اس کو روزانہ سبقا سبقا کسی عالم سے پڑھ لیں اور جو لوگ لکھے پڑھے نہیں ہیں وہ یہ کریں کہ ہفتہ میں دو مرتبہ ایک ایک آدمی پچاس پچاس آدمیوں کو لے کر بیٹھ گیا اور آدھ گھنٹہ کوئی دینی کتاب سنا دی اب رہی عورتیں سو یا تو ان کو مرد پڑھاویں یا ان کو کتاب سنا دیا کریں اور عمر بھر اسی طرح شغل رکھیں بتلائیے کیا مشکل کام ہے یہ تو روزمرہ مسائل سننے کا طریقہ ہے دوسرے یہ کام کیجئے کہ جو کام کرنا ہو علماء سے دریافت کر کے کیجئے اگر کوئی مل جاوے تو وہاں دریافت کیجئے یا مراسلت [1] کے ذریعہ سے۔ اس سے احکام معلوم ہوتے رہیں گے

(۱) خط و کتابت کے ذریعہ۔

پس اس طریقہ سے علم حاصل ہو جانا کتنا آسان ہے اس طریقہ سے دو برس میں ہر شخص عمل کے لئے مولوی ہو سکتا ہے لیکن وعظ نہ کہنا چاہیے کہ یہ نازک کام ہے اس کے لئے اتنی معلومات کافی نہیں اس لئے وعظ تو وہی کہیں جو باقاعدہ علوم حاصل کئے ہوئے ہوں تو اسمعوا سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس کے بقاء کی بھی ضرورت ہے کیونکہ یہ سب طرق علم کے وجود پر موقوف ہیں تو اگر اس کا سامان بقاء (۱) نہ ہو تو یہ سلسلہ میں گم ہو جاوے گا۔

ضرورت مدارس و عالم

اور اس کا کوئی طریقہ سوائے اس کے نہیں کہ ہر شہر میں ایک مدرسہ ہو جس میں نصاب عربی کی تکمیل ہو خیر اگر اس کی ہمت نہ ہو تو کم از کم ہر شہر میں عالم ہی رہے گو اس وقت آپ ان سے فائدہ نہ اٹھاویں لیکن تب بھی رہنا ضروری ہے اور ان عالم سے ایک کام تو یہ لیں کہ چھوٹے بچوں کو ان کے سپرد کریں دوسرے یہ کہ ان سے مسائل پوچھیں اور محلّہ درمحلّہ ان سے ضروری وعظ کہلاویں۔

عمل کا فائدہ

اطیعوا کے متعلق اتنا کہنا ضروری ہے کہ جب اس کے معنی خوشی سے ماننے کے ہیں تو آپ پر واجب ہوا کہ آپ خوشی سے مانیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ محبت دل میں پیدا کرو تا کہ کہنا ماننا خوشی سے ہو اور اس کے پیدا ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ عمل شروع کر دیں اوّل تکلف ہوگا پھر اس کی برکت سے محبت بڑھنے لگے گی اور راز اس میں یہ ہے کہ سہولت ہوگی ظاہر سے بھی باطن میں مدد ملتی ہے دیکھو

(۱) علم کو باقی رکھنے کا سامان نہ ہو تو سب علم ختم ہو جائے گا۔

اسی ظاہر کی برکت ہے کہ اس سے شدہ شدہ ایسی محبت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہماری نماز گو کوئی نماز نہیں مگر باوجود اس کے یہ حالت ہے کہ اگر کوئی پکا نمازی ہو اور وہ غریب ہو اور اس سے کہا جاوے کہ سو روپیہ دیں گے آج کی نماز قضا کر دو تو ہر گز نہ راضی ہوگا تو دیکھئے عمل کی ظاہری پابندی سے بھی قلب میں محبت پیدا ہوگئی تو سب اعمال کو بتکلف کیا کیجئے اس سے محبت پیدا ہوگی۔

اہل اللہ کی صحبت

اور اس محبت کے قائم رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجئے زیادہ نہ ہو تو کم از کم ہفتہ میں ایک ہی بار یا مہینہ میں ایک بار کسی اہل اللہ کے پاس بیٹھئے اس میں خاصیت ہے کہ اس کے اندر جو چیز ہے وہ شدہ شدہ آپ کے اندر بھی آوے گی اور میں آپ سے دنیا کے کام نہیں چھڑاتا اپنی فرصت کے وقت جا کر ان کے پاس رہیے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ان کے ملفوظات ہی پڑھیے لیکن محض تذکرہ اور فن کی کتابوں کی طرح نہ دیکھیے گا۔ اس طریقہ سے محبت قائم رہتی ہے اور بڑھتی بھی ہے۔

ذکر کا اہتمام

تیسری چیز جس سے محبت بالخاصہ بڑھتی ہے وہ ذکر اللہ ہے گو تھوڑی دیر اللہ اللہ کرے اور اسی میں سے کچھ وقت نکال کر نفس کا محاسبہ کیا کیجئے کہ تو نے یہ نافرمانی کی ہے ایک وقت تجھ کو خدا کے سامنے جانا پھر خدا کے عذاب کو یاد کرے اور توبہ کرے کہ مجھے نافرمانی سے بچا لیجئے۔ یہ وہ طریقہ کہ اس میں نہ نوکری چھوٹے نہ تجارت اور اپنی اولاد کے لئے بھی یہی کیجئے۔

صحبت علماء

بلکہ ان کے لئے اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ آپ نے پھر بھی بزرگوں کی آنکھیں دیکھی ہیں اس لئے آپ میں زندقہ (۱) تو نہیں ہے اور ان نوعمروں میں زندقہ ہے کہ تمسخر کرتے ہیں (۲) مگر اس میں اول خطا ماں باپ کی ہے مجھے ایک لڑکا ملا بریلی میں کہ اس کے دادا نے اس غرض سے پیش کیا کہ اس کو نماز کی فہمائش کردیں میں نے نرمی سے پوچھا کہ جب خدا تعالیٰ کا حکم ہے پھر تم کیوں نہیں پڑھتے اس نے بے دھڑک کہا کہ صاحب مجھ کو خود خدا ہی کے وجود میں شک تھا میں نے اس کے دادا سے کہا کہ تم نماز کو لئے پھرتے ہو اس کو تو ابھی مسلمان بنانے کی ضرورت ہے اس کے بعد وہ آبدیدہ ہوا اور کہا کہ یہ سب وبال باپ پر ہوگا کہ مجھ کو فلاں کالج میں بھرتی کیا اور میں کیا بتلاؤں کہ وہ کہاں پڑھتا تھا۔ ایک اسلامی کالج میں پڑھتا تھا اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ گورنمنٹ اسکول میں پڑھنے سے اس قدر بے دینی نہیں ہوتی جس قدر وہاں ہوتی ہے غرض یہ حالت ہوگئی ہے۔ نئی تعلیم کی سو یہ ماں باپ کے ذمہ ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ ان بچوں کو زیادہ ضروری سمجھ کر علم دین پڑھائیے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کیجئے کہ سال میں کم سے کم ہفتہ دو ہفتہ کسی اہل اللہ کے پاس ان کو ضرور رکھیئے وہاں یہ حالت ہوتی ہے۔

گر تو سنگ خارہ مر مر شوی چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی
صحبت نیکاں اگر یک ساعت ست بہتر از صد سالہ زہد وطاعت اولیا
ہرکہ خواہد ہمنشینی باخدا گو نشیند در حضور اولیا

---

(۱) ایک گمراہ فرقہ (۲) مذاق اڑاتے ہیں۔

''اگر تم سخت پتھر اور سنگ مرمر بھی ہو گے مگر جب اہل اللہ کے پاس پہنچو گے تو موتی ہو جاؤ گے۔ نیک لوگوں کی صحبت ایک گھڑی کی، سو سال کے زہد و طاعت سے بہتر ہے جو شخص حق تعالیٰ کو ہم نشینی اور تقرب کا خواہاں ہو اس سے کہو کہ اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرے''

اور اس کے مقابل کی صحبت میں اس کا مقابل دوسرا اثر ہے

تاتوانی دور شواز یار بد یار بد بدتر بوداز مسار بد

''حتی الوسع برے ساتھی سے دور ہو برا دوست برے سانپ سے بھی بدتر ہے''

بچوں کی تربیت کا اہتمام

خصوص جہاں تمام عمر کی صحبت ہو یعنی تعلق نکاح اور آجکل اسی میں زیادہ بے احتیاطی ہے ایک بار بعض انگریزی خواں میری اس بات پر خفا ہو گئے کہ میں نے یہ بیان کیا تھا کہ لڑکی کے پیغام کے وقت یہ بھی تو تحقیق کر لیا کرو کہ لڑکا مسلمان بھی ہے یا نہیں کیونکہ ان نوعمروں میں ایسا بیباک ہے کہ بعض اوقات ان کے بعض کلمات سے کسی طرح ایمان نہیں رہ سکتا ان بچوں کے لئے بہت ہی ضروری ہے کہ کسی کے پاس رہیں یہ ایسی مفید چیز ہے کہ اگر اعمال میں بھی کوتاہی ہو تب بھی وہ مسلمان تو ہوگا چنانچہ میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ عمل میں آزاد اور عقیدے میں نہایت پختہ تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ کسی مولوی کی صحبت میں رہے ہیں تو صحبت سے عقائد درست رہتے ہیں حضرت عمل دوسری چیز ہے لیکن اصل دین وہ ہے جو قلب میں رچ جائے سو یہ صحبت پر موقوف ہے تو بچوں کے لئے آپ ضرور ایسا کیجئے ورنہ کل کو آپ پچھتائیں گے اور روئیں گے جب ان کی حالت تباہ دیکھیں گے چنانچہ ایک صاحب بیرسٹری پاس کر کے آئے اور نماز کی تاکید پر باپ کو یہ جواب دیا

کہ کس کی نماز پڑھوں باپ نے کہا کہ جس نے تم کو پیدا کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ کو تو تم نے اور میری ماں نے پیدا کیا باپ روئے اور کہا کہ میں نے چالیس ہزار روپیہ میں جہنم خریدا ہے اور اگر آج نہ روئے تو کل قیامت میں رونا پڑے گا۔ جب دیکھا جاوے گا کہ لڑکا کندہ جہنم ہے میں انگریزی کو منع نہیں کرتا بلکہ میں تو اس وقت نماز روزہ کو بھی نہیں کہتا صرف یہ کہتا ہوں کہ کسی اہل اللہ کی صحبت میں رہنے کا اہتمام کچھ کرلو پس یہ ہے حاصل مجموعہ ذرائع محبت کا جس سے حقیقت اطاعت کی میسر ہوگی۔ یعنی بتکلف عمل کرنا اور صحبت اہل اللہ کی اختیار کرنا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس وقت آپ خوشی سے قبول کریں گے۔ پھر نماز کا قضا ہوجانا آپ کو ایسا گراں ہوگا کہ جیسے بیٹا مرگیا اور یہی تو وجہ ہے کہ سلف کی اگر تکبیر اول قضا ہوجاتی تھی تو لوگ تعزیت کرتے تھے تو آپ کی بھی یہ حالت ہوجاویگی کہ

بردل سالک ہزاراں غم بود گرز باغ دل خلالے کم بود

’’سالک کے دل پر ہزاروں غم وارد ہوتے ہیں اگر ذرہ بھر بھی اس کی باطنی حالت میں کمی ہوتی ہے‘‘

اب بتلایئے اس میں کونسی دشواری ہے ہم تو یرید اللّٰہ بکم الیسر اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا مقصود ہے پر عمل کر کے طریق کی تعلیم کرتے ہیں لیکن اب بھی اگر کوئی نہ کرے تو ہم کہیں گے کہ

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

یہ اطیعوا کے متعلق ہے

حب مال

انفقوا کے متعلق میں اتنا کہتا ہوں کہ اکثر خرابیاں حب مال (۱) سے ہوتی ہیں چنانچہ اسراف بھی حب مال سے ہوتا ہے اور اس کا عکس بھی ہوتا ہے اور بخل بھی اسی سے ہوتا ہے اس کا خصوص کے ساتھ علاج ہونا چاہیے آگے فرماتے ہیں: ﴿ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں یہ خاص متعلق ماہ ہی کے ہے کہ جو شخص بخل نفس سے بچالیا جاوے اس کی فلاح ہوگی حرص و بخل سے بچنے کی خاص کر کے ترغیب دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ مفسدہ ہوتا ہے اور اس میں ایک نکتہ بھی ہے کہ شُحَّ نَفْسِهٖ فرمایا ہے۔ الشح نہیں فرمایا وہ نکتہ اسی مجلس میں قلب میں آیا ہے وہ یہ کہ نفس کا لفظ جو بڑھا دیا گیا ہے اس میں یہ امر بتلا دیا کہ حرص ایک تو یہ ہے کہ اس کی ذات میں ہو دوسری یہ ہے کہ حاجت کی وجہ سے ہو تو روپیہ تو کسی کو برا نہیں لگتا اور اگر کہو کہ بعض کو روپیہ بھی برا لگتا ہے تو وجہ یہ ہے کہ اول سے بڑی چیز مل گئی مثلا دنیا کی چاہ یا آخرت کی نعمت سو جب دیکھتے ہیں کہ اس جگہ مال لینے سے دین ضائع ہوتا ہے یا اس کی ذلت ہوتی ہے تو وہ اس مال مبغوض ہوتا ہے (۲) ورنہ فی نفسہٖ مال مرغوب ہے (۳) پس اگر نفس کا لفظ نہ ہوتا تو لوگ مرجاتے کیونکہ سب میں کم وبیش حرص ضرور ہے تو نفسہ بڑھا کر بتلا دیا کہ اگر حاجت کے موافق حرص رہے تو وہ ذات میں نہیں ہے اس لئے اس سے بچنا ضروری نہیں ہاں حاجت سے قطع نظر خود جب ذات ہی میں اس کی محبت ہو تو وہ حال خطرناک ہے۔

(۱) مالک کی محبت (۲) ناپسند (۳) پسندیدہ۔

کسب دنیا اور حب دنیا میں فرق

اور اس تحقیق سے ایک بڑے جھگڑے کا فیصلہ ہوگیا کہ علماء میں اور اہل دنیا میں بڑا جھگڑا ہے ترقی کی بابت کہ ترقی کریں یا نہ کریں پس فیصلہ یہ ہوا کہ حاجت کی قدر تو جائز لیکن اس کو خود مقصود سمجھنا ناجائز جس کا حاصل دوسرے عنوان میں یہ ہے کہ طلب دنیا یعنی دنیا کمانا تو برا نہیں ہے لیکن حب دنیا برا ہے ہمارے حضرت نے اس کی ایک مثال دی ہے کہ مال مثل پانی کے ہے اور قلب مثل کشتی کے اور

آب در کشتی ہلاکت کشتی ست　　　آب اندر زیر کشتی پشتی ست

یعنی کہ پانی کشتی کا معین بھی ہے [1] اور اس کو ڈبونے والا بھی ہے اس طرح کہ کشتی سے باہر رہے تو معین ورنہ مہلک اسی طرح مال ہے کہ اگر مال قلب سے باہر صرف ہاتھ میں ہے تو معین اور اگر قلب کے اندر اس کی محبت ہے تو مہلک اور اسی کو کہا ہے۔

مال رانو بہردیں باشی حمول　　　نعم مال صالح گفت آں رسول

حدیث میں ہے نعم المال الصالح للرجل الصالح نیک مرد کی پاک کمائی اچھا مال ہے ایسی حالت میں وہ لوگ مال اقارب کو دیں گے چندہ دیں گے تو حاصل فیصلہ کا یہ ہوا کہ علماء حب دنیا کو منع کرتے ہیں کسب دنیا کو منع نہیں کرتے تو شح حاجت کا مضائقہ نہیں شح نفس برا ہے۔

حضرت عمر h نے اس راز کو خوب سمجھا کہ جب فارس کا خزانہ آپ کے سامنے آیا تو آپ نے آیت ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ﴾ پڑھی اور فرمایا کہ

(۱) مددگار۔

اے اللہ اس سے معلوم ہوا کہ ہم میں اسی کی رغبت تو پیدا کی گئی ہے تو اس کا ازالہ تو نہیں چاہیے۔ مگر یہ دعا ہے کہ یہ محبت آپ کی محبت میں معین ہو جاوے۔ غرض گرنا پڑنا اور قبلہ بنانا درست نہیں اب میں ختم کرتا ہوں دیکھئے خدا تعالیٰ نے کن کن شفقتوں سے ہمارا علاج فرمایا ہے کہ ظاہر و باطن سب کی درستی ہو جاوے اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم سب مل کر ہمت کریں اور علم و عمل کا اہتمام کریں اور یہ سب تدابیر ہیں لیکن تدابیر کا نافع ہونا خدا کی مدد سے ہوتا ہے تو دعا کیجئے کہ وہ اس کی توفیق دے اور ہماری مدد فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقه سیدنا وحبیبنا
ومولانا محمد واله واصحابه اجمعین واٰخر دعوانا
ان الحمدللّٰہ رب العالمین۔

خلیل احمد تھانوی

t